# عہدِ دمودر کے معاشرتی خدو خال

## The Social Condition in the Annals of Damodar

ڈاکٹر منیر گجر*

محمد ابرار ظہور**

**Abstract**

*Traces of people's contemporary history can be found in any piece of literature. Especially in sub-continent, where the history had been perpetually manipulated by the rulers for their own interests, the importance of non-regular history written in form of literature by the then poets and writers is of a great value. Damodar being the founder poet of Qissa tradition in Punjabi has many distinctions. This article is focused on the political and social state of affairs of his age. He claimed to be the eye-witness of Akbar's regime. The characters of local tax collecting agents and the then land revenue system are discussed briefly. This article further provides an insight in the customary cultural practices of masses in Akbar's era.*

ادب معاشرے کا آئینہ ہوتا ہے اور تخلیق کار جو کچھ معاشرے میں دیکھتا ہے اس آئینے کے ذریعے پیش کرتا ہے۔ بعد میں آنے والے لوگ اس کی تخلیقی کاوش میں سے اس کے عہد کے سماجی حالات، لوگوں کی رسومات اور عقائد وغیرہ کے بارے میں بہت کچھ جان سکتے ہیں۔یہ سب کچھ اس کی تخلیق میں ہی پنہاں ہوتا ہے۔تحقیق کار اس کی تحریر میں سے وہ باتیں کھوج نکالتا ہے جو باضابطہ طور پر لکھی گئی تواریخ میں بھی نہیں ملتیں۔اس کی وجہ شاید

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ پنجابی، یونیورسٹی آف سرگودھا۔

** اسسٹنٹ پروفیسر/انچارج شعبہ تاریخ، یونیورسٹی آف سرگودھا۔

یہ ہے کہ ہمارے ہاں تاریخ عام طور پر شاہی خاندانوں، اشرافیہ اور بااختیار لوگوں کے اشاروں پر یا ان کے بارے میں ہی لکھی جاتی ہے، عام آدمی کا گزر تاریخی کتب میں کم ہی ہوتا ہے، اگرکہیں یہ ذکر ہوتا بھی ہے توزیادہ تر اشرافیہ کے نقطۂ نظر سے ہی ہوتا ہے۔اس میں عوامی نقطہ نظر کو بہت کم اہمیت دی جاتی ہے۔دوسری طرف شاعر یا ادیب سماج کے عام انسان کی سطح سے معاشرے کو دیکھتا ہے۔ تاریخ نگار کااکثر کسی ایک خاص طبقہ کی طرف جھکاؤ ہوتا ہے جبکہ شاعر اور ادیب سماج کا نمائندہ ہونے کی وجہ سے عمومی طور پر مبنی بر انصاف بات کہنے میں آزاد ہوتا ہے۔

دمودر، جسے دمودر دا س گلہاٹی بھی کہا جاتا ہے، پنجابی زبان کا پہلا قصہ گو شاعر تھا۔اس لحاظ سے اسے بہت انفرادیت حاصل ہے کہ اس نے پنجابی ادب میں ایک نئی ریت کی بنیاد رکھی۔اس نے کچھ ایسے معیار مقرر کیے جو بعدمیں آنے والوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوئے اور بعد کے قصہ نگاروں میں سے اکثر اس کی ریت کی پیروی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔پنجابی میں دمودر نے سب سے پہلے مشہورِ زمانہ پریم کہانی''ہیر رانجھا'' کو نظم کیا۔اس نے اسے صرف ہیر اور رانجھے کی پیار کہانی تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ اپنے عہد کے سماج کی ایک خالص تصویر پیش کی۔دمودر اکبر کے دور کا شاعر ہے۔ برِعظیم کے حکمرانوں میں سے اکبر کئی حوالوں سے منفرد حکمران تھا۔اس کے دورمیں پہلی دفعہ لوگوں کو مذہب یا خاندانی حسب نسب کی بجائے شخصی خواص کی وجہ سے شاہی دربار میں احترام دیا گیا۔اکبر سے پہلے یہی رائج تھا کہ مغرب کی طرف سے آنے والے حملہ آوردربار سرکار کے معاملات میں اپنے ساتھ لائے ہوئے عمّال پر ہی زیادہ بھروسہ کیا کرتے تھے اور مقامی باشندوں کو نظر انداز کیا جاتا تھا۔اس کی ایک ممکنہ وجہ شاید یہ بھی تھی کہ ہندوستان میں زیادہ آبادی ہندوؤں کی تھی اور حملہ آور مسلمان ہو ا کرتے تھے۔ اس مذہبی خلاء کی وجہ سے اکثرحکمران اور رعایا میں وہ تعلق ہی استوار نہیں ہوتا تھا جو ایک مظبوط مرکزی حکومت کے لیے ضروری ہوتا ہے۔یہ حملہ آور مقامی آبادی کے وسائل تو لوٹ لیتے تھے مگر ان کی صلاحیتوں کو استعمال نہیں کرتے تھے۔اکبر بھی مقامی نہیں تھا لیکن پہلے آنے والوں سے کئی معاملات میں انفرادیت رکھتا تھا۔اس نے حکمران اور رعایا کے درمیان مذہبی بنیادوں پر موجود خلا ء اور فاصلوں کو کم

کرنے کی کوشش کی۔ان پڑھ ہونے کے باوجود وہ بلا کا ذہین اور حاضر دماغ تھا۔اسے معلوم تھا کہ حملہ آوروں کا سلسلہ مغرب سے ہی جاری ہے۔ اس نے اپنی سلطنت کو قندھار تک وسعت دے کر حملے کے امکان کو معدوم کیا۔یوں ہندوستانی عوام کو ایک مسلسل جنگ کی کیفیت سے چھٹکارا ملا۔اسی کے دور میں قانون کی عملداری مضبوط ہوئی اور اوپر سے نیچے تک کوئی قانون سے بالاتر نہ رہا۔اس نے اپنی عقل سے سب پہ قانون لاگو کر لیا۔

یہ پنجاب کا قبائلی دور تھا۔قبیلے کا سردار ہی قبیلے کا نمائندہ ہوا کرتا تھا۔آنے والوں کی آؤ بھگت اور دوسرے قبائل کے ساتھ سفارتی تعلقات اس کی ذمہ داری ہوا کرتی تھی۔زمین کے ذاتی ملکیت ہونے کا تصور انگریزوں کے آنے سے مضبوط ہوا۔اس سے قبل ساری زمین حکمران کی یعنی سرکاری ہوا کرتی تھی۔یہ زمین درجہ بندی کے لحاظ سے قبائل کے سرداروں کو دی جاتی تھی۔''ہیر دمودر'' کے ایک مصرعے میں اس کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

ناؤں دمودرذات گُلھاٹی، آیا سِک سیالیں ۱

دمودر نے ایک اور جگہ 'سِکداری' کا لفظ بھی استعمال کیا ہے

ہو سِکدار کھلووے پچھے، لعنت ہے تِس تائیں ۲

یہاں لفظ'سِک' اور 'سِک داری' قابلِ غور ہیں۔کالکا رنجن قانون گو لودھیوں کے عہد میں تین بڑے سرکاری عمّال کا ذکر کرتے ہیں۔ شقدارِاعلیٰ، منصفِ اعلیٰ اور قاضی اعلیٰ۔شقدار کی سرکاری ذمہ داریوں کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

''شقدارِ اعلیٰ کا کام تھا قاضی کے فیصلوں کا نفاذ۔ بہت حد تک شقدارِ اعلیٰ کا عہدہ اور فرائض برٹش حکومت کے ضلع مجسٹریٹ کے مشابہ تھے۔اس کا فرض تھا اپنے علاقے میں امن و امان قائم رکھے۔بڑے شہروں اور قصبوں میں یہ کام کوتوال کے ذمہ تھا۔شقدارِ اعلیٰ ہی نقصِ امن کے فوجداری مقدمات کے فیصلے کرتا تھا۔اس کے تحت میں فوج کا ایک دستہ بھی رہتا تھا،جو کہ حلقہ میں پولیس کا کام بھی کرتا تھااور سرکش محالوں سے مالگزاری وصول کرنے میں مدد دیتا تھا۔''۳

'شقدار' کا 'شِق' پنجابی میں 'سِک' بن گیا۔بلکہ محمد آصف خاں کے بقول تو یہ لفظ پہلے سے ہی پنجابی میں موجود تھا۔۴ سِکداری میں ملی ہوئی زمین سرکار کی طرف سے 'الاٹ شدہ' ہوتی تھی۔ یہ ذاتی ملکیت نہیں بنتی تھی۔بادشاہ جب چاہے یہ زمین کسی اور کو الاٹ کر

سکتا تھا۔یہ الاٹمنٹ وراثتی نہیں ہوا کرتی تھی۔ جسے بادشاہ سے پوری جاگیر ملتی اسے جاگیر دار اور جسے صرف زمین ملتی اسے زمیندار کہا جاتا تھا۔۵ یہ سِکدار، جاگیر دار اور زمیندار سرکاری کارندے ہوتے تھے اور ان کی سرکاری ذمہ داریوں میں لوگوں سے ٹیکس اکٹھا کرنا بھی شامل ہوا کرتا تھا۔یوں ہر کوئی 'محصولات' میں آ گیا اور سرکاری خزانے بھر گئے۔زمینوں کی طرح اس دور میں کارخانے بھی سرکاری ملکیت ہوا کرتے تھے۔ان کارخانوں کانظام تو مغلوں سے پہلے بھی موجو د تھا لیکن اکبر کے دور میں ان میں اضافہ ہو ااور ان کی تعداد ۱۰۰ تک پہنچ گئی(٦)۔ان کارخانوں میں کپڑا، قالین، برتن، سونے چاندی کی مصنوعات، ہاتھی دانت کی مصنوعات، عطریات، تیل، گھی اور لوہے کا سامان وغیرہ بنتا تھا۔یہاں کی مصنوعات کو دنیا بھر میں پذیرائی ملتی تھی۔

> ''سولھویں اور سترھویں صدی میں برِصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش کے ہیرے، جواہرات، موتی، جڑاؤ کام، زربفت، کمخواب، سونے چاندی، ریشم، اعلیٰ سوتی کپڑے، تانبے، پیتل اور ہاتھی دانت کے کام، مسالوں، رنگ و روغن، عطریات، مسجدوں، مندروں، محلات، آرٹ اور موسیقی کا دنیا بھر میں شہرہ تھا۔ یہاں کی تہذیب و ثقافت زمانہ قدیم سے بتدریج ترقی کی منازل طے کرکے بلند سطح پر پہنچی ہوئی تھیں''۔۷

اکبر لوگوں کی قدر ان کی صلاحیتوں کی وجہ سے کرتا تھا۔اس بات کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ اس کے 'نو رتنوں' میں سب سے زیادہ اہمیت راجہ بیر بل کی تھی جو ذات کا بھانڈ تھا۔ان نو رتنوں میں سے تین ہندو تھے۔تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ان کو کس قدر بلند مرتبہ حاصل تھا۔انہی میں اکبر کا وزیرِ خزانہ راجہ ٹوڈر مل بھی شامل تھا۔وہ بہت محنتی، ذہین اور ایماندار وزیر تھا۔ وزیرِ خزانہ بننے کے بعد اس نے وصولیات اور مالگزاری کا نظام اتنا اعلیٰ اور موثر بنا دیا کہ دو صدیوں بعد انگریزوں نے بھی تھوڑی بہت ترمیم سے اسی نظام کو لاگو کیا۔۱۹۳۰ء میں سر جان سائمن کی نگرانی میں بننے والے مشہور' سائمن کمیشن ' کی''Report of the Indian Statutory Commission'' کے عنوان سے مشہور ہونے والی رپورٹ میں انگریزوں نے بھی ٹوڈر مل کی ذہانت کا اعتراف کیا :

> "In the revenue system established by him, we can already discern in faint outline many of the distinguishing characteristics of the more sceintific methods elaborated under British rule two centuries later."8

اکبر نے بطور حکمران بہت سے ایسے کام کیے جو اس کی دانشمندی کی گواہی دیتے ہیں۔اپنی حکومت کی پانچویں سالگرہ کے موقع پر اس نے پوری سلطنت کی مردم شماری کروائی۔جاگیرداروں، سِکداروں اورداروغوں کو حکم دیا کہ نگر نگر جاکر عورتوں اور مردوں کی فہرستیں تیار کریں۔اس نے ہندو بیوہ عورتوں کو ستی ہونے سے روکنے کے لیے نگران مقرر کیے۔۹

ادب اور تاریخ دونوں بھلے ہی آزاد حیثیت رکھتے ہیں اور ادب کو تاریخ کہہ دینے سے اس کا قد نہیں بڑھتا لیکن یہ بھی تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ فنکار کا تاریخی شعور اس کے فن کو دو گنا کر دیتا ہے۔اس کے عہد میں جو وقوع پذیر ہوتا ہے وہ اس سے چشم کوشی نہیں کر سکتا۔معاصر حالات کا اثر اس کی شاعری پر کسی نا کسی رنگ میں ضرور جھلکتا ہے کیونکہ ان حالات کا براہِ راست تعلق لوگوں کی زندگیوں سے ہوتا ہے۔اور شاعر لوگوں کی زندگی کی لفظی تصویریں ہی تو بنا رہا ہوتا ہے۔دمودر کی شاعری میں اکبر کا ذکر لگ بھگ ۱۶ بار آیا ہے جس سے اسے اکبر کا ہمعصر کہا جاتا ہے۔اکبر کا عہد کئی حوالوں سے برِعظیم کی تاریخ کا ایک اہم موڑ تھا۔اسی دور میں ہندوستان کی سب سے بڑی مرکزی سرکار وجود میں آئی۔اکبر کو یہ سرکار بنی بنائی نہیں مل گئی تھی۔ اس نے تخت نشینی کے پچاس برس جنگیں لڑ کر ہندوستان کی سرحدوں کو وُسعت دی۔

پاتشاہی جو اکبر سندی، دن دن چڑھے سوائے۱۰

یہ دن بہ دن بڑھتی بادشاہی اکبر کی وفات کے وقت بنگال سے قندھار اور سری نگر سے احمد آباد(گجرات) تک پھیلی ہوئی تھی۔۱۱

اکبر پڑھا لکھا نہیں تھا لیکن سیاسی اور انتظامی حوالوں سے بہت زیرک اور عقلمند تھا۔اس نے حکومت چلانے کے لیے ایک مکمل نظام بنایا۔ یہ نظام اوپر سے نیچے تک درجوں میں منقسم تھا۔

> ''اکبر کے زمانے میں منصب داروں کے تینتیس درجے ہوتے تھے۔ہر درجے کی تنخواہ مقرر ہوتی تھی جو نقدی کی شکل میں یا جاگیر کی صورت میں دی جاتی تھی۔ جاگیر دار کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ اپنی جاگیر کا مالیہ رعیت سے جمع کرے اور اس میں سے اپنی تنخواہ وضع کرے۔منصب داری باپ کے بعد بیٹے کو ورثے میں نہیں ملتی تھی۔ہر جاگیر دار کو مقرر ہ

تعداد میں فوج رکھنی پڑتی تھی۔ پنج ہزاری کا مطلب تھا پانچ ہزار سپاہیوں کا کمانڈر اور دس ہزاری کا مطلب تھا دس ہزار سپاہیوں کا کمانڈر۔مورخوں نے اندازہ لگایا ہے کہ پنج ہزاری منصب دار کی تنخواہ کم سے کم اٹھارہ ہزار روپیہ، ایک ہزاری کی پانچ ہزار روپیہ اور پانچ سو کے کمانڈر کی ایک ہزار روپیہ ماہوار ہوتی تھی۔آج کل کے حساب سے یہ تنخواہیں لاکھوں روپے ماہوار بنتی ہیں۔''۱۲

اپنے عہد میں اکبر نے کچھ ایسے فیصلے کیے جن سے ہندو مسلم میل جول میں اضافہ ہوا۔اس نے مقدس مذہبی مقامات پر آنے والے زائرین پر لاگو ٹیکس ختم کر دیا اور ہندوؤں پر عائد جزیہ بھی معاف کر دیا۔۱۳ یوں نا صر ف اس نے ہندوؤں کے دل جیت لیے بلکہ اس سے لوگوں کا باہمی میل جول بھی بڑھا اور ایک دوسرے کے مذہب کا احترام اور برداشت بھی۔وہ اپنے دربار میں مختلف فرقوں کے علماء اور مذہبی رہنماؤں کو بلا کر تبادلہ خیالات کا اہتمام بھی کیاکرتا۔اس عمل سے مذہبی برداشت کی روایت مضبوط ہوئی جو ہمیں دمودر کی ''ہیر'' میں جگہ جگہ دکھائی دیتی ہے۔سیال، وڑائچ، چدھڑ، کھیڑے سب مسلمان قبائل تھے لیکن ابھی اسلام میں داخل ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ سماج میں ابھی مشترکہ ثقافتی رسوم و رواج رائج تھیں۔ ہیر کی کھیڑوں کے ہاں منگنی، رانجھے کی وڑائچوں کے ہاں منگنی اور ہیر کی کھیڑوں کے ہاں شادی کے موقع پر ہم ہر معاملے میں براہمن کی سرکردگی دیکھتے ہیں۔مذہبی برداشت کی ایسی مثالیں دمودر کے عہد میں کوئی حیران کُن بات نہیں ہیں۔ اس عہد کے حکمران اکبر نے خود جودھ پور، بیکانیراور جے پور کے ہندو راجوں کی بیٹیوں سے شادیاں کی تھیں۔۱۴ اس کے مذہبی خیالات شروع سے ہی متنازعہ رہے ۔اس نے وحدانیت اور صُلحِ کُل پر مشتمل ایک نیا مذہب جاری کرنے کی کوشش بھی کی:

"That Akbar formulated a religious policy for the Mughal Empire that can in some ways claim to be a forerunner of the secular aspects of modern Indian polity, is now almost a historical cliche." 15

کسی بھی ملک کے سیاسی حالات اور حکمرانوں کے مشاغل کا اثر عام انسانوں پر ضرور ہوتا ہے۔ مغلیہ سلطنت کی مضبوطی سے مغرب کی طرف سے جاری حملوں کا سلسلہ رُک گیا تھا۔ لوگ خوش حال تھے۔مغل بادشاہوں کے خزانوں کی دھوم اور جاہ و جلال کے تذکرے

زبانِ زدِ عام تھے۔امیر بہت امیر تو تھے ہی لیکن غریب بہت غریب نہیں تھے۔لوگوں کی یہ خوشحالی ان کے باہمی معاملات اور میل جول میں جھلکتی تھی۔مہمان کی حد سے بڑھ کر تکریم کی جاتی تھی۔دمودر کی ''ہیر'' میں جہاں ہم کسی کو مہمان دیکھتے ہیں توں ساتھ ہی میزبان کو اس کی خاطر میں پُرجوش طریقے سے مشغول دیکھتے ہیں۔خوشی کے ہر موقع پر لوگ جشن کا سماں باندھ لیتے۔ناچتے، گاتے، شراب پیتے اور بھانڈوں کی شگفتہ باتوں سے لطف اندوز ہوتے۔مہمانوں کے لیے نئے بستر بچھائے جاتے، انواع و اقسا م کے پکوان تیار کیے جاتے۔گائیں بھینسیں زیادہ ہونے کی وجہ سے دودھ اور گھی کی فراوانی تھی اور زیادہ تر پکوان انھی کے ملاپ سے تیار کیے جاتے تھے:

تاں سُن سنجم کیتا چوچک، جاں سنیا کھیڑے آئے
گھیو، گُڑ، کھنڈ، میدے تے دانے،آن موجود دھرائے
دانا، گھا، شراب پیائے، ڈھاڈی بھلے سوائے
انوائے بہوں لیف تلائی، بھلا دلان پچائے۱۶

ہیر کا باپ سِکدار تھا جس کی سکداری ۸۴ دیہاتوں پر مشتمل تھی۔۱۷ رانجھے کا باپ معظم بھی سکدار تھا۔دمودر نے تو رانجھے کے بھائیوں کی اس کے ساتھ حسد اور اسے جان سے مارنے کی خواہش کی وجہ سکداری ہی بتائی ہے(۱۸)۔ سکدار سرکاری کارندہ ہوتا تھا جس کی ذمہ داری اپنے علاقے کا نظم ونسق چلانا ہوتی تھی۔اس خدمت کے عوض اسے سرکار سے زمین ملتی تھی۔بڑی بڑی جاگیریں پاس ہونے کے باوجو د ان جاگیر داروں کا لالچ انھیں مزید زمین حاصل کرنے کے لیے اکساتا تھا۔جاگیروں میں اضافہ کرنے کا کوئی موقعہ یہ طبقہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔دمودر نے جاگیر داروں کی ایسی سوچ کی بہت عمدہ تصویر کشی کی ہے۔ ہیر کا باپ اور بھائی اس کے بیاہ کے لیے کچھ ایسے سوچ رہے ہیں:

بھائی بابے متا پکایا، ہیر کُڑی کہیں ڈیہاں
ہکے تاں دیجے توڑ پٹھاناں، سندھوں پار چڑھیہاں
ہکے دویہاں اکبر غازی، کچھاں آپ کچھیہاں
آکھ دمودر ذات گُلھاٹی، ایہو متا کریہاں۱۹

اس وقت حاکمیت اور طاقت کے ستون تھے، دریائے سندھ کے اس پار بستے پٹھان اور مغل بادشاہ۔بقول نجم حسین سید :

''حاکمی دے سومے تے مالکی دے تھمے دو ہن۔اک پاسے سندھوں پار دے پٹھان دوجے پاسے مغل باتشاہ جیہڑا ایتھے دعویاں والے شریک اکبروں اکبر غازی ہو گیا ۔''۲۰

کھیڑوں کو بھی سیالوں کے ساتھ رشتہ جُڑنے کی حد سے زیادہ خوشی تھی کیونکہ سیال سیاسی اور مالی لحاظ سے ان کی نسبت بہت مضبوط تھے۔ اس نئی رشتے داری کا مطلب تھا دولت، اختیاراور طاقت میں اضافہ۔ ان کا سیالوں سے مرعوب ہونا وہاں بھی نظر آتا ہے جب ہیر اور رانجھے کے معاشقے کے بارے میں جان لینے کے بعد وہ ہیر کو جان سے مارنے کا سوچتے ہیں لیکن پھر سیالوں کی طاقت کا سوچ کر اس ارادے سے باز رہتے ہیں۔

نہیں مناسب خاناں مارن، مہری آکھ سنایا
دھی چوچک دی کیکر ماریں، بوہتا بھُل الایا ۲۱

بات چلی تھی 'سِک' سے۔سکدار کو ملنے والی زمین ذاتی ملکیت نہیں ہوتی تھی۔ سرکار جب چاہے اس سے زمین واپس لے کر کسی اور کو دے سکتی تھی۔ یوں ہم یہ بھی کہ سکتے ہیں کہ سکدار دراصل ایک چھوٹا حاکم ہوتا تھا جس کی رعایا اس علاقے کی عوام ہوتی تھی:

''مغل بادشاہ کے زمانے میں برِصغیر کی آبادی بہت سے فرقوں میں تقسیم تھی۔ اس تقسیم کی بنیاد سیاسی، معاشرتی، مذہبی، ثقافتی اور معاشی عوامل سے استوار ہوئی تھی۔معاشی لحاظ سے امراء، جاگیر داراور زمیندار ایک طرف اور باقی مخلوقِ خدا دوسری طرف تھی۔ یہ سب کے سب بادشاہ کی رعایا ہوتے تھے۔لیکن ننانوے فیصد آبادی کا شمار ''رعیت'' میں ہوتا تھا۔ رعیت وہ تھی جو امراء، جاگیر داروں اور زمینداری رعایا ہوتی تھی۔ یعنی کہ یہ رعیت ڈبل رعایا تھی۔'' ۲۲

دمودر ایک قبائلی سماج کی کہانی لکھ رہا تھا جس میں ہر قبیلہ اپنی جگہ ایک اکائی تھا۔قبیلے کا سردار ہی اس کا بادشاہ، وزیر اور ناظم ہوتا تھا۔ان سرداروں کو سکدار، جاگیر دار اور زمیندار کے عہدے اسی لیے دیے جاتے تھے کہ ان کے ساتھ عوامی طاقت ہوتی تھی جیسے آج کے جمہوری دور میں اسمبلی ممبران کے پیچھے ووٹ ہوتے ہیں۔کسی خاص حلقے کے ووٹر اپنا نمائندہ منتخب کرتے ہیں جو ان کے اور حکومت کے درمیان رابطے کا کام کرتا ہے۔ اس سماج

میں طبقاتی تقسیم ذرا مختلف تھی۔لوگوں کے پیشے ابھی ان کی ذات یا ذات کی پہچان نہیں بنے تھے۔ہر قبیلہ چونکہ ایک مکمل اکائی تھا اس لیے اسی قبیلے میں سے ہی کام کاج کے لحاظ سے طبقاتی تقسیم ہوا کرتی تھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ دمودر کے ہاں ہم کہیں بھی کمّیوں(ملازموں) سے وہ سلوک نہیں دیکھتے جو وارث شاہ یا دوسرے کئی ہیر نگاروں کے ہاں ملتا ہے۔دمودر کے ہاں اگر ایسی اکا دُکا مثالیں ملتی بھی ہیں توں ان کا پہلے جواز بنایا گیا ہے۔نمونے کے طور پر سُنبل کا نورے کو مارنا دیکھا جا سکتا ہے۔ یہاں غور کریں تو دمودر پہلے ہی یہ بتا چکا ہے کہ لُڈن باہر سے آیا ہے، سُنبل قبیلے کا فرد نہیں ہے۲۳ سُنبل سردار نورے نے دریا کی سیر کے لیے ایک عالی شان بیڑا بنوایا اور باہر سے آئے ہوئے ملاح لُڈن کو اس کی نگرانی پر مامور کیا۔ایک دن کچھ اور رؤسا بیڑے کی مشہوری سن کر اسے دیکھنے آتے ہیں۔ لُڈن ملاح اپنے مالک نورے سے اجازت لیے بغیر انھیں بیڑے میں سوار کر لیتا ہے۔صرف اتنی سی بات پر نورا لُڈن کی عمر کا لحاظ کیے بغیر اس کی بے عزتی کرتا ہے اور پٹائی کرتا ہے۔حالانکہ ملازمت پر رکھنے کے لیے اس نے لُڈن کو دور سے بلوایا تھا اور کافی منت سماجت کے بعد اسے قائل کیا تھا۔اگر وہ سُنبل قبیلے کا فرد ہوتا تو یوں دیدہ دلیری سے نورا اس پر ہاتھ نہ اٹھاپاتا۔ لُڈن سے مار کھانے کے بعد نورا بدلہ لینے کے لیے بیڑا کھول کر نکل کھڑا ہوتا ہے اور دریائے چناب کے کنارے آوازیں لگاتا پھرتا ہے:

جے رکھے پچھے پا اسانوں، کوئی راٹھ سوانی جایا ۲۴

لیکن چناب کنارے سبھی راٹھ نورے کی طاقت سے واقف ہیں اور کوئی اسے پناہ دے کر نورے سے دشمنی مول لینے پر تیار نہیں ہوتا۔ہر کسی کو معلوم ہے کہ لُڈن کو پناہ دینے کا مطلب صر ف نورے سے ہی نہیں بلکہ پورے سُنبل قبیلے سے دشمنی لیناہے۔ہیر یہ دباؤ قبول کرنے کا فیصلہ کر لیتی ہے اور لُڈن کو پنا ہ دے دیتی ہے۔نورے کو خبر ہوتی ہے تو وہ اپنے کمی کے ہاتھ چٹھی بھیجتا ہے۔ سیالوں کے ہاں اس کی تواضع پٹا ئی سے ہوتی ہے۔یہاں بھی کمی دوسرے قبیلے سے ہے اور سیالوں کو سکداری کا مان ہے۔حالانکہ اس سماج میں کسی قبیلے کے کمی کو مارنے کا مطلب اس قبیلے سے سیدھا اعلانِ جنگ ہوا کرتا تھا۔یہ جنگ بعد میں ہوئی بھی۔نورے کی چٹھی، چوچک کے جواب اور پھر سُنبلوں کی لڑائی کے لیے تیاری میں پنجاب کا

قبائلی جذبہ صاف نظر آتا ہے۔اگر نورے کا کمی ذات پات کی تقسیم والا کمی ہوتا تو شاید نورا اس کے لیے اپنے سے زیادہ با اثر اور مضبوط قبیلے سے جنگ کرنے نہ نکل کھڑا ہوتا۔

اس سماج میں طبقاتی تقسیم کو سمجھنے کے لیے رانجھے کے کردار پر بھی غور کیا جاسکتا ہے۔وہ بھی سکدار کا بیٹا تھا لیکن جھنگ اس سکداری سے باہر تھا۔دوسرے قبیلے میں آکر وہ نوکر ی پر مامور ہوا جس کی وجہ سے اس کا شمار نچلے طبقے میں ہوتا تھا۔وہ بہت خوبصورت، ذہین اور ہر دلعزیز شخصیت تھا۔اس کے چہرے سے بقول دمودر 'عظمت کی روشنائی' ٹپکتی تھی۔ سیال اس کے آنے سے بہت خوش تھے کیونکہ اس کے آنے سے بھینسوں نے تنگ کرنا چھوڑ دیا تھااور دودھ زیادہ دینا شروع کر دیاتھا۔لیکن یہ ساری شخصی خوبیاں مل کر بھی اسے اس قابل نہیں بناتیں کہ ہیر کی شادی اس سے کی جا سکے۔سیالوں نے اس کے ہیر کے ساتھ معاشقے کی خبر سن کر بھی اس سے کوئی ایسا سلوک نہیں کیا جسے رانجھے کی بے عزتی کہا جا سکے۔ پورے قصے میں صرف ایک جگہ چوچک اسے دو تھپڑ مارتا ہے جب اسے ہیر کے ساتھ محوِ استراحت دیکھتا ہے۔اس کے علاوہ پورے قصے میں رانجھے کے ساتھ کوئی ہتک آمیز سلوک یا دباؤ دکھائی نہیں دیتا۔رانجھا اس موقع پر چوچک کو جو جواب دیتا ہے اس میں پنجاب کے قبائلی سماج کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے:

جے کھس لیتا منگو خاناں، تاں ہزارہ لیتو ناہیں ۲۵

ہماری دانست میں یہاں ہزارہ کا حوالہ دمودرکی شعوری کوشش ہے۔رانجھا جو برسوں سے گھر سے باہر، عزیز واقارب کو ترک کیے بیٹھا ہے اس موقع پر اپنی قبائلی وابستگی کا اظہار کرتا ہے جہاں اسے اپنی طاقت کا بیان کرنا ہے۔چوچک غصے کی حالت میں اسے مار تو بیٹھا ہے لیکن اس کے مونہہ سے ہزارہ کی بات سن کر فوراً ہی اسے احساس ہوا کہ وہ نئی دشمنی مول لے رہا ہے۔ اگر رانجھا ناراض ہو کر چلا گیا تو یہ لڑائی دو قبائل کی دشمنی میں تبدیل ہو جائے گی۔قبائلی دور میں کسی دوسرے قبیلے کے فرد کو مارنا اتنا آسان نہیں تھا۔

مودر کے عہد میں مردوں کو سماج میں برتری حاصل تھی۔اہم معاملات میں عورتوں کی بات نہیں سنی جاتی تھی۔سماج کی اس ناانصافی کو دمودر نے کئی مقامات پر بے نقاب کیا ہے۔لیکن اس نے کہیں بھی یہ بات بیانیہ انداز میں نہیں کی بلکہ قاری کو خود ہی قصے میں

سے یہ بات کھوجنی پڑتی ہے۔جیسے کہ ہیر قصے کا سب سے نمایاں کردار ہے۔ اس کے پیدا ہونے سے لے کر جوان ہونے تک اسے ہر طرح کی آزادی حاصل ہے۔ وہ بپھرے ہوئے شیر کی طرح جنگل میں گھومتی ہے، لڑکیوں کے ٹو لے کے ساتھ دریا میں نہاتی ہے اور مردوں سے لڑائیاں کرتی ہے۔ ہر جگہ اسے باپ کی سرپرستی حاصل ہے لیکن اس کی زندگی کے سب سے بڑے فیصلے میں اس سے رسماً بھی پوچھنا گوارا نہیں کیا جاتا۔اس کی شادی کے مشورے میں تو اس کی ماں کی شرکت بھی دکھائی نہیں دیتی۔پہلے تو

بھائی بابے متا پکایاک، ہیر کڑی کہیں ڈِیہاں ۲۶

اس کے بعد چوچک برادری سے مشورہ کرتا ہے، لیکن ہیر کی ماں کُندی سے نہیں۔اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ ہیر جب بیاہ کر جاتی ہے تو کھیڑے، جنہیں ہیر اور رانجھے کے معاشقے کی بھِنک پڑ چکی ہوتی ہے اس کے ساتھ جو سلوک کرتے ہیں وہ اس دور میں عورتوں کی سماجی حالت اور حیثیت کی تصویر ہے۔

آن بہائی وچ حویلی، دِسے کول نہ کوئی
کالا کِڑا تے ترٹا ترڈا، اتھے بہن کیتوئی ۲۷

دمودر نے بہت باریکی اور نفاست سے اس دور میں عورتوں کو حاصل سماجی حقوق کی بات کی ہے۔ متذکرہ بالا شعر میں ہم ہیر کی شادی کے بعد کی حالت دیکھتے ہیں جب اس کے عشق کے چرچے سسرال تک پہنچ جاتے ہیں۔ اپنی مرضی اور خوشی سے شریکِ حیات کا انتخاب اتنا سنگین جُرم ہے کہ اس کے سارے خاندانی حسب نسب اور جاہ و جلال کو بالائے طاق رکھ کراس کے ساتھ ایک حقیر مجرم سا سلوک کیا جاتاہے۔ قصے کے آغاز میں دمودر نے ہیر کو جتنا زبردست اور منہ زو ر دکھایا ہے اسے سامنے رکھیں تو بات سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے کہ صنفِ نازک کو اس دور میں کس قدر ادنیٰ مخلوق کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔

# حوالہ جات


۱۔ دمودر، ہیر دمودر،مرتب۔محمد آصف خاں(لاہور:پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۸۶ء)ص۳۵۔
۲۔ ایضاً،ص۵۸۔
۳۔ ایضاً، ص۳۱۔
۴۔ کالکا رنجن قانون گو، شیر شاہ سوری اور اس کا عہد(لاہور:تخلیقات، ۱۹۹۲ء)ص۴۹۷۔
۵۔ مبشر حسن، شاہراہِ انقلاب( لاہور: رین پرنٹنگ پریس ،س ن)ص ۵۔
۶۔ ایضاً، ص۳۔
۷۔ ایضاً، ص۱۔
8. Report of the Indian Statutory Commission, Vol.1 (New Delhi: Arvind K. Mittal Logos Press, 1988) p. 338.
9. Syed Mohammad Latif, History of the Punjab (Calcutta: Central Press Company, 1891) p. 144.
۱۰۔ دمودر،ص۲۷۶۔
11. Sir Richard Burn, Cambridge History of India (New Delhi: S Chand & Co., 1963) p. 154.
۱۲۔ مبشر حسن ،ص۴۔
13. Sir George Dunbar, History of India (Delhi: Low Price Publications, 1990) p. 183.
14. Latif, p 148.
15. Athar Ali, Mughal India (New Delhi: Oxford University Press, 2006) p. 158.
۱۶۔ دمودر ،ص۴۲۔
۱۷۔ ایضاً، ص ۱۰۸۔
۱۸۔ ایضاً،ص ۶۵۔
۱۹۔ ایضاً،ص۳۸۔
۲۰۔ نجم حسین سید، *اکتھ کہانی* (لاہور: اُدم پبلشرز، ۱۹۹۰ء) ۲۰۔
۲۱۔ دمودر، ص۱۸۷۔
۲۲۔ مبشر حسن، ص ۳۔
۲۳۔ دمودر، ص ۴۷۔
۲۴۔ ایضاً ،ص۴۸۔
۲۵۔ ایضاً ،ص۱۲۲۔
۲۶۔ ایضاً،ص ۳۸۔
۲۷۔ ایضاً،ص ۱۸۷۔